قومی مفادات صرف اقتدار میں ہی ہیں.....؟؟؟

تحریر: سہیل احمد لون

ملکی تاریخ کا طویل ترین الیکشن اپنی سابقہ بدعنوانیوں کے تمام ریکارڈز توڑ کر بالآخر اختتام پزیز ہوا۔ مسلم لیگ نون نے لاہور کے سیاسی قلعہ کی حفاظت بہت جاندار طریقے سے کی۔ تحریکی توپوں کے گولے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، لاہور میں جب تحریکی سپہ سالار کو ناکارہ بنا دیا گیا تو پنجاب بھر میں تحریکی لشکر کا پسپا ہونا کوئی اچنبے کی بات نہیں کہ شخصی سیاسی جماعتیں فرد ہی بناتا ہے اور فرد ہی چلاتا ہے کمپین ختم ہونے کی رات عمران خان نے اپنی آخری تقریر میں کہا کہ اُن سے غلط فیصلے ہوئے ہیں لیکن آپ فرد کو نہ دیکھیں نظریے کو ووٹ دیں بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے۔ یہ بیان چیئرمین تحریک انصاف 11 مئی کی رات کو دے سکتے تھے لیکن ایک تو انہوں نے الیکشن سے پہلے ہی یہ تسلیم کرلیا کہ اُن سے فیصلہ غلط ہوئے ہیں تو ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ غلط فیصلوں پر لوگ احتجاج کیلئے کم ہی نکلتے ہیں۔ مسلم لیگ نون نے تحریکی کارکنوں کے جشن فتح کو پنجاب میں روند کر رکھ دیا۔ تحریکی سپہ سالار جنگ کی تیاری کے دوران ہی گھائل ہوگیا، 11 مئی کی شام کو جبکہ ابھی ایک بھی سیٹ کے حتمی نتائج نہیں آئے تھے آزاد میڈیا نے میاں صاحب سے فتح یاب ہونے کی تقریر براہ راست نشر کر کے تحریکی سپہ سالار کے زخموں پر ''لون'' لگا دیا۔ مسلم لیگ نون کے اس ''لون'' کو اب برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ کیونکہ تحریکی سپہ سالار میاں صاحب سے سیاسی مرہم لگوا کر ''مک مکا'' نہیں کریں گے۔ حقیقی جمہوریت میں حزب اختلاف کے بینچوں میں بیٹھ کر بھی عوامی خدمت اسی انداز سے کی جاسکتی جیسے اقتدار میں رہ کر۔ مگر معاملہ عوامی خدمت کا ہو تو کوئی اپوزیشن میں بیٹھنے کا سوچے.....!!! کسی شخص سے اگر ایسی حالت میں جرم سرزرد ہو جائے جب اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہو یا ذہنی توازن بگڑا ہو تو ایسے شخص کو مجرم تو تصور کیا جاتا ہے مگر کوئی بھی عدالت اس کو اس جرم کے مطابق سزا نہیں سناتی۔ شاید اسی وجہ سے رائیونڈ محل کے باہر آزاد امیدواروں کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں کی لائن لگی ہے۔ سب ہی مسلم لیگ نون کی حمایت کا اعلان اس لیے کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اقتدار میں آ کر ہی قومی خدمت کا فیضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ اقتدار کے نشے میں مدہوش ہوکر' کی ہوئی بدعنوانیوں کا بھی وطن عزیز میں سزا کا تصور نہیں کیونکہ اقتدار کے نشے میں مست سیاسی رہنماء کو بھی یہ استثناء حاصل ہوتا ہے کہ ان کا ذہنی توازن اقتداری نشے سے بگڑا ہوا ہوتا ہے لہذا جس کی دماغی حالت ہی ٹھیک نہ ہو بھلا اس کو سزا کیسے دی جاسکتی ہے؟ آلو اور گوشت میں ایک چیز مشترک ہے کہ یہ کسی بھی ''ہانڈی'' میں ڈالے جاسکتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ غریب اپنی ''ہانڈی'' میں آلو اس لیے ڈالتا ہے کہ سالن مقدار بڑھ جائے، جبکہ امیر اپنی ''ہانڈی'' میں گوشت اس لیے ڈالتا ہے کہ سالن کا مزہ بڑھ جائے، کبھی کبھار آلو اور گوشت کا ملاپ بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ وطن عزیز میں ''سیاسی ہانڈی'' 2 طرح کی ہوتی ہے ایک غریب کی جو حزب اختلاف میں ہو، دوسری امیر کی جو اقتدار میں ہو۔ ہر کسی کی یہ خواہش ہے کہ وہ اقتداری ہانڈی میں شامل ہوکر سالن کا مزہ بڑھائے، کیونکہ حزب اختلاف کی ہانڈی میں جا کر مقدار تو بڑھ جائے گی مگر حیثیت میں وہی فرق ہوگا جو آلو اور گوشت میں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے انتخابات میں کروڑوں روپیہ خرچ کر جب کوئی اپنے حلقے سے سیٹ جیتنے میں کامیاب ہوتا ہے تو اربوں کمانے کے لیے ''آلو اور

گوشت''میں فرق تو کرے گا۔ہم اس معاشرے میں جنم لیتے ہیں جہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی منہ میں شہد کا قطرہ ڈالا جاتا ہے مگر ہاتھ میں نوٹ تھمائے جاتے ہیں۔یعنی جو بچہ دنیا میں آ کر سب سے پہلے نوٹ کو ہاتھ لگائے گا تو کیا بڑا ہو کر وہ نوٹوں کے پیچھے نہیں بھاگے گا؟ ''نوٹوں'' کے حصول کی ریس میں بعض اوقات ''لوٹوں'' کا روپ بھی دھارنا پڑ جاتا ہے۔ پڑوسی ملک بھارت میں ایک بار انتخابات کے نتائج ایسے آئے کہ کانگریس پارٹی کو سیٹیں تو زیادہ ملیں مگر وہ آزاد امیدواروں یا دیگر چھوٹی سیاسی جماعتوں کو ساتھ ملائے بغیر حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہ تھے۔کانگریس پارٹی نے اپوزیشن میں بیٹھنے کا فیصلہ کرلیا اور مخالف پارٹی کو حکومت سازی کی دعوت دی۔آج بھارت کی معاشی ترقی کو رفتار کی بنیاد دراصل اسی دور حکومت نے ڈالی تھی۔مضبوط اپوزیشن کے بغیر جمہوریت اور آمریت میں فرق صرف ''وردی'' کا ہی رہ جاتا ہے، جو عوام کو ٹوپی پہنانا اور پھر ٹوپی گھمانا اچھی طرح جانتے ہیں۔آفرین ہے ہماری عوام پر بھی جوان سے بار بار ٹوپی پہن کر گنجے ہو چکے ہیں مگر پھر بھی انہیں کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔شاید ہم لوگ ایسے ہی ٹوپی ڈراموں کی عادی ہو چکے ہیں،اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ کوئی سر اٹھا کر جینے کا نعرہ لگائے تو اس کو ہی ''ٹوپی'' پہنا دی جاتی ہے۔

جنرل ضیاءالحق کے سنہری کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے جس میں ایم کیو ایم کا تحفہ بھی شامل ہے۔ایم کیو ایم ملک کی وہ واحد سیاسی جماعت ہے جو ہر دور میں اقتدار میں شریک رہی، قائد تحریک الطاف حسین کی وطن عزیز سے بے پناہ محبت اور سیاسی بصیرت کی بدولت ایم کیو ایم ہر انتخابات میں بتدریج اپنی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی سیٹوں اضافہ کرتی گئی (یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایم کیو ایم عوام میں بھی اسی طرح مقبول ہو)۔کراچی میں جماعت اسلامی اور پیپلز پارٹی سے ایم کیو ایم نے کسی طرح جان چھڑائی تو پی ٹی آئی نے وہاں سر اٹھالیا۔ 20.....25 سیٹوں کے ساتھ وہ اقتدار میں شراکت کرنے اور حکومت کو بار بار بلیک میل کرنے میں اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اب وہ اپنی سیٹوں کو کسی حال میں کھونا نہیں چاہتے۔اگر عوامی خدمت کرنا ہی مقصود ہے تو عوام کو بلا خوف اس بات کا اختیار ہوان چاہیے کہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہے ووٹ دیں۔اگر سیٹیں پہلے سے کم بھی ہو جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے؟اگر حکومتی پارٹی کا حصہ نہ بھی بنا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ مگر بدقسمتی سے ہمارے سیاستدان حکمرانی کرنے کے لیے حکومتی پارٹی کا حصہ بننے پسند کرتے ہیں اگر ان کی نیت خدمت کرنے کی ہو تو وہ حزب اختلاف میں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے۔حکومت سازی کے عمل کے بعد میاں صاحب کو مسائل کے بھنور میں پھنسی ناؤ کو پار لگانے کے لیے کرشماتی بصیرت دکھانی ہوگی جس کا استعمال وہ آج تک نہیں کر سکے۔ چیف جسٹس آف پاکستان،صدر پاکستان اور آرمی چیف بھی اپنی آئینی مدت پوری کرنے والے ہیں۔کیا چیف جسٹس اور آرمی چیف کی ملازمت مدت میں اضافہ کیا جائے گا؟ نئے آرمی چیف کے لیے جو مضبوط ترین امیدوار ہیں ان میں ایک کا تعلق لاہور سے ہونے کے علاوہ کلین شیو بھی ہیں،جبکہ دوسرے ممکنہ امیدوار کا تعلق ایبٹ آباد سے ہے اور ان کی مونچھیں بھی پرویز مشرف سے زیادہ بڑی ہیں۔اگر آرمی چیف مونچھوں والا آ گیا تو حزب اختلاف والے مضبوط ہونے کے لیے ہو سکتا ہے ان کی تصویر اٹھا کر اپوزیشن میں بیٹھیں ہوں۔تصویروں کی سیاست تو ہم پہلے ہی اس ملک میں کافی دیکھ چکے ہیں۔سو کسی بھی نئے ڈرامے کو خارج از امکان نہیں کرنا چاہیے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

19-05-2013.